اپنے اندر زندگی کی علامات پیدا کرو

(فرمودہ ۵-نومبر ۱۹۱۵ء)

تشہّد ' تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیت کی تلاوت فرمائی:-

اَوَ مَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ کَمَنْ مَّثَلُهٗ فِی الظُّلُمٰتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا کَذٰلِكَ زُیِّنَ لِلْکٰفِرِیْنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔ ؎

اس کے بعد فرمایا:-

ایک لطیفہ ہے- کہتے ہیں کسی بادشاہ نے اپنے وزیر سے پوچھا دنیا میں اندھے زیادہ ہیں یا سوجاکھے؟ وزیر نے کہا اندھے زیادہ ہیں- بادشاہ نے کہا ہم تو سوجاکھے زیادہ دیکھتے ہیں اچھا فہرست بناؤ- وزیر ایک جگہ شارع عام پر بیٹھ گیا اور کچھ ایسا کام کرنے لگا جو اس کی شان کے شایاں نہ تھا اب جو گذرتا اس سے پوچھتا کہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ اور وہ اس کا نام اندھوں میں لکھ لیتا کیونکہ جو کچھ وہ کر رہا تھا وہ تو نظر آرہا تھا- عوام تو خیر خود بادشاہ نے بھی یہی سوال کیا اس لئے وزیر نے فہرست میں بادشاہ کا نام سب سے اوپر لکھ لیا- یہ قصہ سچ ہے یا سبق دینے کیلئے لطیفہ ہے بہرحال ہے نتیجہ خیز-

اس آیت میں ایمان سے خالی کا نام مُردہ رکھا ہے اور اس رنگ میں دیکھیں تو اکثر ایمان رکھنے کے مدّعی مُردہ نظر آتے ہیں- کیونکہ درحقیقت زندگی وہی ہے جس میں فہم وفراست ہو- زندگی کے جو منافع ہیں جب تک وہ حاصل نہ ہوں زندگی کیسی اور کیونکر

کہلاسکتی ہے۔ اگر ایک سوجاکھا آنکھیں رکھتے ہوئے آنکھوں سے فائدہ نہ اٹھائے تو گو وہ دنیا کو سوجاکھا ہی نظر آتا ہو مگر ہے وہ اندھا بلکہ اس اندھے سے جو فی الواقعہ بینا نہیں اس کی حالت زیادہ قابل رحم ہے کیونکہ وہ آنکھیں رکھتے ہوئے آنکھوں کے فوائد سے محروم ہے اور یہ بیچارہ تو سرے سے آنکھیں رکھتا ہی نہیں اس لئے اگر یہ فوائد سے محروم ہے تو تعجب یا حیرت کی بات نہیں۔ ایک انسان جسے یقین ہو کہ مَیں حق پر نہیں اس سے وہ زیادہ قابل رحم ہے جو ناحق پر ہے اور سمجھتا ہے کہ میں حق پر ہوں۔ ایسا بیمار جسے یقین ہو کہ مَیں بیمار ہوں اس کا علاج آسان ہے لیکن جو یہ بھی تسلیم نہ کرتا ہو کہ مَیں بیمار ہوں بلکہ باوجود بیماری کے اپنے آپ کو تندرست سمجھتا ہو اس کا علاج زیادہ مشکل ہے۔ اسی طرح جو لوگ جانتے ہیں کہ ہماری روحانیت مرچکی ہے پھر جان کر مُردہ کی حالت میں رہتے ہیں ان سے ان لوگوں کی حالت زیادہ خطرناک ہے جو سمجھتے ہیں کہ ہم زندہ ہیں حالانکہ وہ مُردہ ہیں۔

اس آیت میں مومن اور کافر کو زندہ اور مُردہ قرار دیا ہے۔ پھر دوسرا فرق مومن اور کافر میں یہ بتایا کہ مومن نور میں ہے اور کافر اندھیرے میں۔ اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ۔ مُردہ اور زندہ اور نور اور اندھیرے والے شخص میں جو نسبت ہے وہی نسبت کافر اور مسلم میں ہے۔ مُردہ انسان ہر ایک دنیاوی ضرر سے محفوظ ہے۔ زندہ تکلیف اٹھاتا ہے اگر اس کا کوئی عضو ٹوٹ جائے تو اسے دکھ پہنچتا ہے۔ مُردہ اس قسم کی تکلیف سے بچا ہوا ہے لیکن زندہ اپنے دوستوں کی مدد کرسکتا ہے۔ مُردہ اپنے پیاروں کی مدد نہیں کرسکتا۔ اسی طرح نور میں بیٹھنے والا خود سمجھ سکتا ہے کہ مجھے یہ ضرر پہنچنے لگا ہے تاریکی میں بیٹھا ہوا یہ نہیں سمجھ سکتا۔ انسان کے دو تعلق ہیں ایک اپنی ذات سے اور ایک دوسروں سے۔ اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا میں بتایا ہے کہ مومن کے دونوں تعلقات درست ہوتے ہیں وہ ایک زندہ کی طرح اپنی ذات کو بھی ضرروں سے بچاتا ہے اور دوسروں کو بھی نفع پہنچاتا ہے اور کافر مُردہ کی طرح نہ خود ضرر سے بچ سکتا ہے نہ اپنے عزیزوں کو نفع پہنچا سکتا ہے۔ اب ہر ایک شخص جو ایمان کا دعویدار ہے وہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھے کہ آیا یہ دونوں باتیں اس میں پائی جاتی ہیں یا نہیں۔ اگر پائی جاتی ہیں تو وہ ایک زندہ اور نور میں بیٹھنے والے کی طرح ہے ورنہ مُردہ اور تاریکی میں گھرے ہوئے کی مانند ہے۔ اگر اس کے احساسات تیز ہیں کہ اپنے اور دنیا کیلئے نفع رساں ہو اور اچھی اور بُری بات کو سمجھ سکے، حق و باطل، نیکی وبدی میں تمیز

کرسکے۔ اور اسے بدیاں ایسی نظر آتی ہوں جیسے روشنی میں مختلف رنگوں خصوصاً سفید و سیاہ کے درمیان تمیز ہوسکتی ہے تو بے شک وہ اپنے دعوے میں سچا ہے۔ اور اگر وہ ایک مُردہ یا اندھیرے میں بیٹھنے والے کی طرح ایسی حالت میں ہے کہ نہ وہ اپنی ذات کو نفع پہنچاسکتا ہے نہ لوگوں کو تو اس کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیئے کہ جس بات کا وہ دعویٰ کرتا ہے وہ اس میں نہیں۔ وہ سوچ کہ لوگ تو مجھے زندہ اور نور میں سمجھتے ہیں مگر مَیں مُردہ اوراندھیرے میں ہوں۔ بصارت اور بصیرت کی غرض تو نفع و نقصان میں فرق ہے اور انسان کو جو یہ حیٰوۃ ملی ہے تواس کی غرض یہی ہے کہ وہ اپنے نفس کیلئے فائدہ حاصل کرکے پھر دوسروں کو بھی فائدہ پہنچائے۔ اگر امتیاز کی طاقت اور نفع رسانی کی خواہش نہیں تو وہ انسان نہیں بلکہ حیوان محض ہے۔ ہماری جماعت کے لوگوں کو جو مؤمن اور پھر خداتعالیٰ کے فضل سے ایک مأمور کے ماننے والے ہیں اس پر بہت زیادہ غور کرنا چاہیئے کہ واقعہ میں وہ زندہ ہیں اور نور میں ہیں یا صرف زبانی دعویٰ ہی دعویٰ ہے کیا جیسے وہ خدا کے کلام سے زندہ ہوئے فی الواقعہ تاریکی سے نور میں آگئے ہیں یا ابھی ان کی روحوں میں ظلمات کے اثرات باقی ہیں اور بعض اعضاء میں ابھی ایسی ہی مُردنی ہے جیسی پہلے تھی۔ فرداً فرداً تو مَیں نہیں کہتا مگر جماعت کی حیثیت سے مَیں دیکھتا ہوں کہ ان میں بہت کوتاہی ہے۔ ایک زندہ میں جو احساسات ہونے چاہئیں وہ پورے طور پر ہماری جماعت میں ابھی نظر نہیں آتے۔ ان میں ابھی وہ روح پَیدا نہیں ہوئی کہ ایک سرے سے دوسرے تک فردِ واحد کا حکم رکھیں۔ ان کیلئے ضروری ہے کہ جس طرح زندہ اپنے ایک عضو کی تکلیف محسوس کرتا ہے اسی طرح وہ اپنے ایک ایک فرد کی تکلیف کا احساس کریں۔ کسی جسم کا ایک حصہ مرجائے تو اس کو پتہ نہیں لگتا' چٹکیاں لو تو بھی وہاں خبر نہیں ہوتی۔ لیکن زندہ اعضاء کا یہ نشان ہے کہ ایک حصہ پر کوئی تکلیف ہوتو تمام حصص جسم میں برقی رَو کی طرح وہ تکلیف دوڑ جاتی ہے۔

پس میں جماعت میں بھی یہی روح دیکھنا چاہتا ہوں کہ اگر کسی جگہ ایک کو تکلیف ہوتو اس سے اسے اُس سرے تک تمام جماعت اس تکلیف اس دُکھ کو محسوس کرے۔ گویا جماعت بمنزلہ ایک جسم کے ہو جس میں کئی روحیں داخل ہیں یا ایک روح ہے جو مختلف جسموں میں ہے۔ دیکھو جسم پر ایک جگہ پھوڑا ہو تو تمام بدن اس تکلیف کو محسوس کرکے تپ میں گرفتار ہوجاتا ہے' یہ زندگی اور اتحاد کا نشان ہے۔ پاؤں میں کھجلی ہو تو ہاتھ مدد کو دوڑتا ہے۔ سر پر مار

پڑنے لگے اور مقابلہ نہ ہو تو پاؤں لے کر دوڑتے ہیں- یہ زندگی کی علامت ہے کہ دل' کان' آنکھ غرض تمام اعضاء ایک دوسرے کی مدد کو پہنچتے ہیں- پس جماعت کی زندگی کی علامت بھی یہی ہے کہ تمام افراد ایک دوسرے کی تکلیف کو محسوس کریں- اگر ہندوستان کے اس سرے پر تکلیف ہو تو چاہیئے کہ تمام اطرافِ عالم میں بجلی کی سی رَو دوڑ جائے- اور ایک احمدی کے درد کی ٹیس پانچ لاکھ سے زیادہ قلوب پر اثر کرے- اگر ایک کو خوشی ہے تو تمام کے تمام خوشی سے بھر جائیں یہ بات ہو تو پھر ہماری جماعت زندہ جماعت ہے نہیں تو جماعت زندہ نہیں اور اگر زندہ ہے تو بیمار ضرور ہے-

زندگی تو نام ہے حرکت کا احساس کا- جس جماعت میں حرکت نہیں' احساس نہیں' وہ کب حقیقی طور پر زندہ کہلاسکتی ہے- مَیں ایک مجموعی حالت میں یک رنگی اور یکساں جوش ان کے کاموں میں نہیں دیکھتا یہ تو ایسی حالت معلوم ہوتی ہے جیسے بیمار جان کندن حالت میں ہو- حلق میں پانی یا کوئی دوائی ڈالی گئی اور وہ اُٹھ بیٹھا تھوڑی دیر بعد پھر اسی بستر پر گر پڑا- کوئی تحریر نکل جائے کوئی لیکچر ہوجائے تو ایک جوش ایک حرکت ایک احساس ایک زندگی ظاہر ہوتی ہے مگر چند روز بعد پھر ویسے کے ویسے- سیکرٹری اور محاسب بھی یہی شکایت کرتے ہیں کہ خط لکھتے ہیں تو چندہ بھیج دیتے ہیں ورنہ بعض پھر خاموش- یہ حالت قابلِ اطمینان نہیں بلکہ خطرے کی حالت ہے کیونکہ بیمار کی ایسی حالت بجائے صحت کے موت کی طرف لے جانے والی ہوتی ہے- پس تم میں سے جن کی روحانی زندگی موت کے قریب ہے وہ جلد جلد اپنی حالت بدلیں- کام کرنے والے اپنے اندر مستقل طاقت پیدا کریں تاکہ انہیں کسی محرک کی ضرورت نہ رہے- تم کو ایسا بننا چاہیئے کہ دُشمن بھی بول اُٹھے کہ یہ جماعت ایک زندہ جماعت ہے- اللہ تعالیٰ ہماری جماعت میں زندگی کی روح پھونکے- اس نے پانی تو اپنے فضل سے نازل کردیا جس سے ہم زندہ ہوئے اب اس زندگی کو برقرار رکھنا بھی اسی کے فضل پر موقوف ہے- ہم میں سے بہت سے ہیں جن کے حوصلے کمزور ہیں- الٰہی! ان میں اتنی طاقت پیدا ہو کہ وہ اس پانی کو جذب کرکے سرسبز و شاداب ہوں- مَیں خدا کے حضور عرض کرتا ہوں تم بھی کرو کہ وہ آپ ہمیں زندہ کرکے ہم سے وہ کام لے جو اس نے ہمارے سپرد کیا ہے اور اس کام کو جو اسی کا کام ہے پورا کرنے اور نباہنے کی توفیق عطا فرماوے- آمین- (الفضل ۱۴- نومبر ۱۹۱۵ء)

۱؎ الانعام: ۱۲۳